R.N.088
AL MADRASTUL.KHALILIA
V.NAROLI.NAGAR(LigNight)
P.O.NaniNaroli.Dist:SURAT
(GUJRAT) PIN394110 (INDIA)
Phone:0091-2629-261006
0091-09913179786

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[redacted]

التاسیس: ١٤٢٩ھ ٢٠٠٨ء
المدرسة الخليلية
نرولی نغر (لغ نائت)
ص،ب، ٣٩٤١١٠ نانی نرولی
بمديرية سورت، بولاية غجرات (الهند)
رقم الهاتف
٠٠٩١.٢٦٢٩.٢٦١٠٠٦
٠٠٩١.٠٩٩١٣١٧٩٧٨٦

Ref .... Date ....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۸۹۷ / ب

بخدمت جناب مفتی صاحب - دامت برکاتہم -

ہمارا مدرسہ - نانی نرولی - لیگ نیٹ کے قریب - مدرسہ خلیلیہ دار الیتامی کے نام سے حکومت رجسٹرڈ ہیں۔ نمبر 088 - جسکے باقاعدہ مع علماء کرام فحال کمیٹی بھی موجود ہیں - ابھی دار الیتامی کی عمارت بنانے کے لئے زمین کی ضرورت پیش آئی -

کیا ہم زکوۃ کے پیسہ حیلہ کرکے دار الیتامی کے لئے زمین لے سکتے ہیں؟ تفصیل کے ساتھ جواب عطاء کرکے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں...

۳۲۲م / ب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! زکوۃ کی رقم اصل مستحق تک یعنی غریبوں محتاجوں کو دیکر انہیں مالک ومختار بنانا ضروری ہے، زکوۃ کی رقم سے مدرسہ کیلئے زمین خریدنا، مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز نہیں۔ یہ غریبوں کی حق تلفی ہے۔ البتہ اگر آپکے مدرسہ میں غریب ومحتاج اور یتیم طلبہ پڑھتے ہیں تو شدید ضرورت کے وقت جبکہ امدادی رقم سے زمین کی خریداری ممکن نہ ہو۔ تو بدرجۂ مجبوری محض علم دین کی اشاعت اور والدین کے بچوں میں اسلامی صحیح عقائد [illegible] کیلئے زکوۃ کی رقم کسی غریب ومسکین کو دیکر اسے مالک ومختار بنادیں۔ اور پھر اسے ترغیب دیں کہ اگر تم یہ رقم مدرسہ کو دیدو تو تم کو بہت اجر وثواب ملیگا [illegible] اپنی مرضی کے مطابق [illegible] لیکر باقی رقم مدرسہ کو دیدے تو اس طرح زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا ہوجائیگی

تو بہتر دینی پہلی صورت ہے کہ امداد کی رقم سے مدرسہ کیلئے زمین خریدی جائے۔ فقط واللہ اعلم

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۹ ذوقعدہ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
محمد اسد اللہ

الجواب صحیح
وقار علی غفرلہ

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے صوبہ گجرات کے غربت زدہ اور دینی لحاظ سے پسماندہ علاقوں میں چند رفقاء کے ساتھ مکاتب کے قیام کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اب تک تقریباً دوسو پچھتر آبادیوں میں قیام مکتب کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اب الحمد للہ یہ سلسلہ بڑھتا ہی جارہا ہے، اولاً ان مکاتب کے قیام کا پس منظر قدرے عرض کرتا ہوں:

جن دیہاتوں میں مسلمان قلیل تعداد میں ہے، اور آج تک ان بستیوں میں مسجد، مدرسہ، مکتب کی کوئی شکل نہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ارتداد یا ارتداد جیسا ماحول تھا اور اب بھی ہے، مسلمانوں کے گھروں میں بت اور محلوں میں بت کدہ بنے ہوئے ہیں اور بعض جگہ اب بھی یہ صورت حال ہے اور مسلمان غیر مسلموں جیسا شعار، لباس، وضع قطع اپنائے ہوئے ہیں، نام بھی غیر مسلموں جیسے ہیں، غیر مسلموں کے تہواروں کو ذوق وشوق سے مناتے ہیں، اسلامی تہواروں کا بہت سوں کو پتہ تک نہیں ہیں، بعضوں نے قرآن کا لفظ تک نہیں سنا ہے، شہروں کے اطراف میں نئی نئی کالونیا اور جھونپڑے بڑی مقدار میں آباد ہورہے ہیں، ان جگہوں پر بھی مکتب، عبادت گاہ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں گمراہی اور فتنے گھس آئے ہیں، قادیانی اور عیسائی مسنری ان جگہوں کو خاص نشان بنارہے ہیں۔

ان علاقوں میں بسنے والے ۹۰ ر فیصد مسلمان غریب اور مزدور پیشہ ہیں، جن کے لئے اپنی آمدنی سے اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل مشکل ہوتی ہے، ان میں بہت ہی کم متوسط درجے کے ہیں جو اپنی آمدنی سے اپنی ضروریات زندگی پوری کرلیتے ہیں۔

ایسے علاقوں میں اللہ تعالی کے فضل سے مکاتب کا سلسلہ شروع کیا ہے، بحمد اللہ جہاں کچھ مدت سے کام ہورہا ہے، وہاں سے مکتب سے تکمیل کے بعد حافظ، عالم بنانے کے لئے بڑے اداروں میں بچوں کو بھیجنے کی کوشش بھی ہورہی ہے اور نتائج سامنے آرہے ہیں اور مزید اچھے نتائج کی امید ہے۔ ان شاء اللہ

اس قسم کی کئی آبادیوں سے مکاتب شروع کرنے کی درخواستیں آئی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ مخلصین فکرمند علماء اور دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں کی سروے رپورٹ میں چندا اڑانے والے اور چونکانے والے اعداد وشمار سامنے آرہے ہیں۔

ایسے چھوٹے اور دور افتادہ علاقوں میں قیام وطعام کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے معلمین حضرات روزانہ سائیکل، موٹر سائیکل، پیدل بس، آٹو رکشہ غرض جو میسر آتا ہے، اس کے ذریعہ آمد ورفت کرتے ہیں، بعض معلمین روزانہ ۸۰ کیلومیٹر تک کا سفر کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں ہماری کچھ الجھنیں ہیں، اس کا شرعی حل مطلوب ہے، اس طرح کی آبادیوں میں قیام مکاتب اور عبادت گاہ کے لئے مالیات کی بھی بڑی مقدار میں ضرورت پیش آتی ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) معلمین، مدرسین کی ماہانہ متعینہ تنخواہ، جن میں حسب ضرورت اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

(۲) معلمین اور نگران حضرات کے مصارف سفر۔

(۳) اس طرح کی غربت زدہ بستیوں کے پڑھنے والے بچوں بچیوں کو سال میں ایک یا دو مرتبہ کپڑوں کے مصارف۔

(۴) مدرسین کو سال میں دو مرتبہ راشن اور ایک مرتبہ دئے جانے والے کپڑوں کے مصارف۔

(۵) امراض کے موقعہ پر مدرسین اوران کے اہل خانہ کے لئے علاج ومعالجہ کے مصارف۔

(۶) جن مدرسین کی شادی نہیں ہوئی ہے، ان کی شادی کے موقع پر حسب وسعت تعاون کے مصارف۔

(۷) معلمین اور نگران حضرات کی آمدورفت کے لئے سائیکل اور موٹر سائیکل کی خریدی اوراس کے نباہ کے مصارف۔

(۸) بہت سی آبادیوں میں اب تک کھلی زمین پر آسمان کے نیچے یا درخت کے سایہ میں تعلیمی سلسلہ ہے، وہاں عبادت گاہ یا مکتب بقدر ضرورت تعمیر یا ٹین کے سیڈ کے مصارف۔

(۹) بعض آبادیوں میں بعض مرتبہ بچوں کواوران کے والیوں کوراشن وغیرہ دینا بھی ضروری ہوتا ہے، ورنہ گمراہ فرقے اس راہ سے ایمان کا سودا کرتے ہیں، یہ تو ہوگئی مصارف کی تفصیلات ۔

اب اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس بطور خرچ آنے والی رقوم کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

کچھ آبادیوں میں بچوں اوران کے والیوں پر محنت کی گئی، سمجھایا گیا تو اپنی غربت کے باوجود ۱۰/۲۰ روپئے فیس کے عنوان سے کچھ والیوں نے اپنے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اور کچھ حضرات اپنی رقم جمع حسب وسعت جمع کرواتے ہیں، بعض جگہوں پر دین کے متعلق غفلت کی وجہ سے غربت کی بناء پر بسا اوقات دس بیس روپئے فیس کے خاطر بچوں کو مکتب میں بھیجنا بند کردیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مصارف کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کو اپیل کی جاتی ہے، چندہ کیا جاتا ہے، حالات دکھائے جاتے ہیں، حالات سے واقف کیا جاتا ہے، تعلقات کو بھی استعمال کیا جارہا ہے، دعائیں کرتے بھی ہیں اور کرواتے بھی ہیں، اس کے باوجود مصارف کی تکمیل کے لئے فیس اور عطیات کی (للہ) رقم نہایت قلیل مقدار میں حاصل ہوتی ہے، جس سے مجموعی بجٹ کا ۲۰/فیصد بھی پورا کرنا مشکل ہوتا ہے، زیادہ تر مسلمان زکوۃ ،صدقات کی رقم پیش کرنے کی بات کرتے ہیں۔

مزکورہ بالا حالات کے پیش نظر آں محترم ہماری رہبری فرمائیں کہ صدقہ، زکوۃ کی رقم ان کاموں کے لئے وصول کی جائے یا نہ کی جائے اوران کو مذکورہ بالا ضروریات کی تکمیل میں استعمال کرنے کا کیا طریقہ ہوگا، جس میں معلمین کو زکوۃ صحیح طریقے سے ادا بھی ہوجاوے اوران کے اجر میں کوئی کمی نہ آوے۔

امید ہے کہ کوئی آسان شکل جس میں بڑی دشواری کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے اورلوگوں کو بھی اپنی دی ہوئی زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں کامل یقین، کامل اعتماد اور بھروسہ رہے بتلا کر ممنون فرمائیں اوراس طرح کے کاموں کے لئے بھی اگر زکوۃ کی رقم دی جاتی ہے اورآپ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا جاوے تو مزید اجر کے مستحق ہوا، ایسی کوئی فضیلت آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو بھی ضرور تحریر فرمائیں ،تاکہ چندہ دہندگان پوری رضاء ورغبت کے ساتھ ہمارا تعاون فرمائیں۔ فقط

عبدالعزیز شبیر احمد حافظجی

نورانی مکاتب

حامداً و مصلیاً و مسلماً!

مالداروں کو اپنے مال میں سے جو زکوۃ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ فقراء کا ایک حق ہے، اس حق کی ادائیگی اسی وقت تام ہوگی جب زکوۃ اپنے مصرف میں صرف ہو، خود اللہ تعالی نے قرآن کریم میں زکوۃ کے آٹھ مصارف متعین فرمادیئے ہیں، إنما الصدقات للفقراء والمسکین الآیۃ صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا۔ (التوبہ آیت: ۶۰)

لہذا صاحب مال کی شرعی ذمہ داری ہے کہ اپنا مالِ زکوۃ صحیح مصرف میں صرف کرے، آج کل جہاں زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی عام ہے وہیں صحیح مصرف کی جستجو میں لاپرواہی بڑھتی جاتی ہے۔

زکوۃ وصدقات ادا کرنے سے مقصود محتاج کی حاجت پورا کرنا ہے، صاحب مال کو تو فرصت نہیں کہ مصرف کی تلاش کرنے میں ہر ممکن کوشش کرے، اللہ تعالے کے کچھ بندے ایسے ہیں جو تن، من اور دل و جان سے اپنا قیمتی وقت فارغ کر کے، صحیح مصرف تلاش کر کے اہل مال کی توجہ مبذول کراتے ہیں، درحقیقت اہل مال ان کے احسان مند ہیں، حاجتمند کی ضرورت پوری کرنے میں بہت ثواب ہے، یہ حاجت جس درجہ کی ہوگی، اسی قدر اس پر ثواب مرتب ہوگا، مصیبت زدہ اور حاجتمندوں کی ضرورت پورے کرنے پر بے شمار فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: واللہ یحب اغاثۃ اللھفان. (فضائل صدقات حصہ اول/ص: ۱۲۵)

اللہ تعالی مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے، کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو، اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا جاتا ہو۔

ایک حدیث میں ہے، جو شخص میری امت میں سے کسی شخص کی حاجت پوری کرے تا کہ اس کو خوشی ہو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ جل شانہ کو خوش کیا اور جو شخص حق تعالی شانہ کو خوش کرتا ہے، وہ اس کو جنت میں داخل فرمادیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے تہتر/۷۳ درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں، جن میں سے ایک درجہ سے تو اس کی درستگی ہوتی ہے (یعنی لغزشوں کا بدلہ ہوجاتا ہے) باقی بہتر/۷۲ درجے رفع درجات کا سبب ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالی کی عیال ہے، آدمیوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ جل شانہ کے نزدیک وہ ہے جو اس کی عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالی کی عیال ہے مشہور حدیث ہے۔ (فضائل صدقات حصہ اول ۱۲۸ تا ۱۲۹)

قرآن شریف میں نیک لوگوں کے اوصاف عالیہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا.

اور وہ اللہ تعالی کی محبت کے خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (سورۂ دہر)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب سے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے، حرف علی بمعنی مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جبکہ وہ کھانا خود اپنے لئے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے، یہی نہیں کہ اپنے سے زائد فالتو کھانا غریبوں کو دیدیں، مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت اور ثواب ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم، مگر بہر حال اس کو کھانا کھلانا حکومت اسلامی کے ذمہ داری ہے، جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اس لئے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ثواب ہوگا، خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور ان کی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے ان کے ذمہ کر دی جاتی تھی جیسے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔ (معارف القرآن ۶۳۸/۸)

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب اللہ جل شانہ نے ان آیات میں قیدی کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ اس وقت قیدی مشرک تھے تو مسلمان قیدی کا حق تجھ پر اور بھی زیادہ ہوگیا۔ (فضائل صدقات حصۂ اول رص:۴۵)

غور کرنے کا مقام ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قید کرنے والے کافر، قیدیوں کو جسمانی تکلیف پہنچا سکتے ہیں، بہت بہت تو قتل کر دیں گے لیکن ایمان سلب کر کے ان کو کافر بنانے کی ان میں قدرت نہیں، بایں ہمہ وہ قیدی قابل رحم ہیں، قرآن واحادیث میں ان پر انفاق مال کی مستقل فضیلت ہے، ان کی خبر گیری اہل ایمان کی ذمہ داری ہے، تو بھلا ہمارے جو مسلمان بھائی گمراہ فرقوں کی زد میں ہیں، قادیانی اور عیسائی مشنریاں ان کو مرتد بنانے کی فکر میں ہیں، ایسے مسلمان ان قیدیوں سے زیادہ قابل رحم ہیں، ان کا ایمان بچانا اور دینی تعلیم سے ان کو روشناس کرانا ہمارا اسلامی فریضہ ہے۔

وما يتعلق به سعادة ابدية ونجا ة عقباوية وهي من اجل المنافع. (ہدایہ اولین ص:۶۰۷)

آپ نے استفتاء میں للہ رقم سے مصارف پورے نہ ہونے کا شکوہ کیا ہے، یہ واقعۃً صحیح ہے

مال کی محبت اس قدر غالب ہے کہ مقدار واجب (چالیسواں حصہ) بھی ادا کرنا بڑا بوجھ لگتا ہے، حالانکہ مالداروں پر زکوۃ کے علاوہ بھی مالی حقوق ہیں،

فضائل صدقات میں ہے:

بعض تابعین جیسا کہ امام نخعیؒ و شعبیؒ وغیرہ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق واجب ہیں، ان حضرات کے نزدیک مالدار کے ذمہ واجب ہے کہ جہاں کہیں ضرورت مند کو دیکھے تو زکوۃ سے زائد سے بھی اس کی حاجت کو پورا کرے لیکن فقہ کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص اضطرار کے درجہ کو پہنچ گیا ہو تو اس کی ضرورت کا پورا کرنا فرض کفایہ ہے (فضائل صدقات حصۂ اول رص:۲۶۲)

ہمارے اسلاف نے مسئلۂ اضطرار کو خوب سمجھا اور عمل کر کے بتلایا، ان کی زندگی ہمارے لئے اسوہ ہے، جو مالدار ہر سال عمرہ اور

نفلی حج کرتے ہیں، ان کے لئے حسب ذیل واقعہ میں بڑا سبق ہے:

حضرت عبد اللہ بن مبارک بڑے عالم باعمل محدث ومفسر ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد وقت تھے، ایک سال درس حدیث دیتے، ایک سال تجارت کرتے اور ایک سال جہاد کرتے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد تھے، اسلئے ہم حنفیوں کے امام ومقتداء ہیں، ان کا واقعہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثانی دامت برکاتہم ہر سال حج کرنے والے مالداراں کو حدود شرعیہ اور دین کے ہر حکم کو اس کے مقام پر رکھنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے جارہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستہ میں ایک قافلہ والوں کی ایک مرغی مرگئی، قافلے والوں نے وہ مرغی کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ قافلہ والوں سے کچھ پیچھے تھے، انہوں نے دیکھا کہ قافلے والے تو اس مرغی کو پھینک کر چلے گئے، اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی، وہ تیزی سے اس مردہ مرغی پر جھپٹی، اور اس کو اٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا، اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ یہ سب دیکھ رہے تھے، بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اٹھا کر لیجانے والی لڑکی کون ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے، اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح وہ مردہ مرغی اٹھا کر کیوں لائی ہے؟ جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات در اصل یہ ہے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، جو ہمارے گھر میں واحد کمانے والے تھے، میری والدہ بیوہ ہیں، میں تنہا ہوں، اور لڑکی ذات ہوں، اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے، ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اس کوڑے میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے، ہم اس کو کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں، یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے دل پر چوٹ لگی، انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے تو اس حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، کہ مردار کھا کھا کر گزارہ کر رہے ہیں، اور میں حج پر جارہا ہوں، چنانچہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہمارے پاس دو ہزار دینار ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لئے جتنے دینار کی ضرورت ہے، تقریباً بیس دینار، وہ رکھ لو، باقی سب اس لڑکی کو دے دو، اور ان دینار سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ ثواب عطاء فرمائیں گے، یہ کہہ کر آپ گھر کی طرف واپس لوٹ گئے (خطبات عثانی ۳/۱۷۷، ۱۷۸)

گمراہ فرقے قادیانی اور عیسائی مشنریاں متحد ہو کر پسماندہ اور دین سے دور قوم کو لقمۂ تر بنانے کے درپے ہیں، طاغوتی طاقتیں جن کی ڈور باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کی فکر میں ہیں، ایسے قابل رحم غرباء اجتماعی طور پر حالت اضطرار سے کم نہیں۔

اس لئے دینی مکاتب زکوۃ وخیرات کا بہترین مصرف ہیں، اس میں دینی نشر واشاعت کا ثواب بھی ہے، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ دائماً اپنی زکوۃ وخیرات اہل علم پر ہی خرچ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں درجۂ نبوت کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں

دیکھتا ہوں، اگر اہل علم تنگ دست ہو گئے تو دینی خدمت نہ ہو سکے گی، نتیجۃً امور دینیہ میں نقص آجائے گا، لہذا علمی خدمت کے لئے ان کو فارغ و بے فکر کر دینا سب سے بہتر ہے۔

وكان ابن المبارك يخصص بمعروفه أهل العلم فقيل له لو عممت. فقال إني لاأعرف بعد مقام النبوة أفضل من مقام العلماء فإذا اشتغل قلب أحدهم بحاجة لم يتفرغ للعلم ولم يقبل على التعلم فتفريغهم للعلم أفضل (احياء العلوم ١/ ١٩٧ الوظيفة الثامنة ،باب أن يطلب لصدقتة من تزكو به الصدقة الخ)

زکوۃ ادا کرنے میں ایک کوتاہی یہ بھی دن بدن بڑھتی جارہی ہے کہ سال پورا ہونے کے باوجود اہل مال زکوۃ ادا نہیں کرتے اور رمضان کا انتظار کرتے ہیں، تاکہ ثواب زیادہ حاصل ہو، حالانکہ فوری تقاضے سامنے ہیں، مصرف کے اہم مواقع موجود ہیں، زکوۃ وصول کرکے صحیح مصرف میں لگانے والے بے چین ہیں، پھر بھی اہل مال کو ان کی ضروریات پورا کرنے اور زکوۃ کا اہم فریضہ ادا کرنے کی فرصت نہیں، یہ طریقہ بھی قابل اصلاح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

بعض اوقات لوگ یہ کرتے ہیں کہ مثلاً زکوۃ تو یکم رجب کو فرض ہو گئی، لیکن ابھی زکوۃ ادا نہیں کررہے ہیں، بلکہ اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ جب رمضان المبارک آئے گا، اس وقت زکوۃ نکالیں گے، کیوں؟ اس لئے کہ رمضان المبارک میں زکوۃ نکالنے سے ستر گنا ثواب زیادہ ملے گا، ارے بھائی! اگر آپ پر یکم رجب کو زکوۃ واجب ہو چکی ہے، اور ایک آدمی بے چارہ بھوکا ہے، اس کو تو فوری کھانے کی ضرورت ہے، اور تم رمضان کے انتظار میں بیٹھے ہو کہ جب رمضان آئے گا تو زکوۃ نکالیں گے، یہ بات سمجھ لیں کہ بیشک رمضان میں زکوۃ نکالنے سے ثواب زیادہ ہوگا، لیکن اس سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ ایک مسلمان کی کوئی فوری ضرورت ہے، تو اس فوری ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ زکوۃ دیدیں گے، تو انشاء اللہ اس پر زیادہ ثواب ملنے کی توقع ہے، لہذا زکوۃ کی ادائیگی کے لئے رمضان کے انتظار میں بیٹھے رہنا یہ بھی کوئی ضروری نہیں، بلکہ اگر پہلے بھی ضرورت کا موقع سامنے آئے تو رمضان سے پہلے زکوۃ دے دینا بہتر ہے۔ (خطبات عثمانی ۲/۲۴۹)

سال کے متفرق اوقات میں زکوۃ کی ادائیگی میں جانبین کے لئے سہولت ہونے کے ساتھ ساتھ چند مصالح بھی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا وقیع مشورہ غور سے پڑھئے، فرماتے ہیں:

اگر ساری زکوۃ ایک ہی وقت ادا کرنا مقصود ہو تو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کوئی سا ایک مہینہ زکوۃ ادا کرنے کا معین کرلے اور بہتر یہ ہے کہ افضل مہینوں میں سے مقرر کرے، تاکہ اس میں خرچ کرنے سے ثواب میں زیادتی ہو، جیسا کہ مثلاً محرم کا مہینہ ہے کہ وہ سال کا شروع مہینہ ہونے کے علاوہ اشہر حرم میں سے ہے اور اس میں ایک دن یعنی عاشورہ کا ایسا ہے کہ اس میں صدقہ کرنے کی اور اہل وعیال پر خرچ میں وسعت کی فضیلت آئی ہے، لہذا اس مہینہ میں اگر ادا کرے تو بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو ادا کرے، یا مثلاً رمضان المبارک کا مہینہ ہے احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جود و بخشش میں تمام آدمیوں سے بڑھ کر تھے اور ماہ رمضان میں تو آپ کی بخشش اور جود ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسا کہ تیز ہوا۔ نیز اس مہینہ میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، نیز اللہ تعالی کی نعمتیں بھی اس مہینہ میں

اپنے بندوں پر روز افزوں ہوتی ہیں، اسی طرح ذوالحجہ کا مہینہ بھی بڑی فضیلت والے مہینوں میں ہے، اس میں حج ہوتا ہے، اس میں ''ایام معلومات'' ہیں یعنی عشرہ ذی الحجہ، اور ''ایام معدودات'' ہیں: یعنی ایام تشریق، اور ان دونوں میں اللہ تعالی کی یاد کی ترغیب قرآن پاک میں آئی ہے، پس اگر کوئی رمضان کو متعین کرے تو اس کا عشرۂ آخر مناسب ہے، اور ذی الحجہ کو مقرر کرے، تو اس کا عشرۂ اول بہتر ہے، بندۂ ناکارہ زکریا کا مشورہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی زکوۃ کا تقریبی اندازہ تو ہوتا ہی ہے اس لئے سال کے شروع ہی سے ضرورت کے مواقع پر اس انداز کی رعایت رکھتے ہوئے تھوڑا تھوڑا دیتا رہے اور جب سال وجوب کا ختم ہو اس وقت اپنے مال کا اور اپنی زکوۃ کا پورا حساب لگالے، اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس وقت پوری کردے اور کچھ زیادہ ادا ہو گیا تو اللہ تعالی کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق تھی کہ واجب سے بھی زیادہ ادا ہوگیا۔

اس میں تین مصلحتیں ہیں:

اول: تو یہ ہے کہ پوری رقم اگر مقدار میں زیادہ ہوئی تو بڑی رقم کا بیک وقت خرچ کرنا اکثر طبیعت پر بار ہو جاتا ہے اور زکوۃ کے ادا کرنے میں طیب نفس سے خرچ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔

دوسری مصلحت: یہ ہے کہ ضرورت کے مواقع ہر وقت میسر نہیں ہوتے، اس طرح ادا کرنے میں ضرورت کے مواقع پر خرچ ہوتا رہے گا، اور اگر سال کے ختم پر حساب کرکے اس خیال سے اس کو علیحدہ رکھے گا کہ وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہوں گا تو اس میں ایک تو ہر دن تاخیر ہوتی رہے گی۔ دوسرے اس کا اطمینان نہیں کہ ادائیگی سے پہلے کوئی حادثہ جانی یا مالی پیش نہ آجائے اور زکوۃ واجب ہو جانے کے بعد ادا نہ ہونے میں سب کے نزدیک گناہ ہے۔

تیسری مصلحت: یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنے میں اگر آدمی کے بخل نے زیادہ زور نہ کیا تو امید یہ ہے کہ مقدار واجب سے کچھ زیادہ اکثر ادا ہو جایا کرے گا جو مرغوب چیز ہے، اور بیک وقت حساب لگا کر اس پر اضافہ کرنا بہت سے لوگوں کو دشوار ہوگا۔ (فضائل صدقات حصۂ اول ۲۶۴،۲۶۵)

اس تمہید وتحریص کے بعد استفتاء کا جواب ملاحظہ کیجئے:

زکوۃ وصدقات واجبہ کے لئے تملیک ضروری ہے، یعنی مستحق زکوۃ کو مال کا مالک بنانا رکن ہے، ہدایہ میں ہے: ولا یکفن بها میت لإنعدام التمليك وهو الركن (هدايه اولين، باب من يجوز دفع الصدقات ص: ۲۲۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں زکوۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، إنما الصدقات للفقراء اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنادیا جائے، کسی کو کھانا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا۔

شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا: کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنادیا جائے، اسی طرح امام جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص ۱۵۲/۲ بحوالہ معارف القرآن ۴۱۱/۴)

دیگر یہ کہ ادائیگیٔ زکوۃ کیلئے ضروری ہے کہ زکوۃ کے عوض کوئی منفعت حاصل نہ کی جائے، قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى (تنویر الابصار مع درمختار شامی ۳/۱۷۳)

اسی وجہ سے تدریس کے عوض اجرت میں زکوۃ دینا جائز نہیں، لہذا صورت مسئولہ میں واجب التملیک رقم کی تملیک کے بغیر معلمین ،مدرسین کی ماہانہ تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اس کے علاوہ دیگر ضروریات مثلاً مدرسین کے مصارف سفر، آمد ورفت کے لئے سائیکل، موٹر سائیکل، راشن وکپڑوں کے مصارف، شادی کے موقع کی ضروریات میں زکوۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم تملیکاً دینا جائز ہے، بشرطیکہ جن کو رقم زکوۃ دی جارہی ہے وہ مصرف زکوۃ ہوں، مالک بن جانے کے بعد وہ حضرات اپنی ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں، مصرف زکوۃ وہ شخص ہے جس کی ملک میں چھ سو بارہ گرام اور تین سو پچاس ملی گرام چاندی یا اتنا نقد روپیہ یا اتنی قیمت کا مال اور حوائج اصلیہ سے زائد سامان نہ ہو۔

مگر یہ یاد رہے مذکورہ صورت میں سائیکل اور موٹر سائیکل کے معلمین خود مالک ہیں، آئندہ تدریس سے مستعفی ہو جائیں تو ان سے سائیکل اور موٹر سائیکل واپس نہیں لے سکتے۔

اسی طرح اس مد سے بچوں کو کپڑے اور ان کے والیوں کو راشن دینا بھی درست ہے، اگر وہ مستحق زکوۃ ہوں۔ بصورت دیگر شرعی حیلہ کے بعد دیں، شرعی حیلہ یہ ہے کہ مستحقِ زکوۃ کو کہا جائے کہ کسی کے پاس سے قرض لے کر فلاں کار خیر میں تو اپنی طرف سے صرف کر دے ،ہم تیرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیں گے، وہ قرض لے کر اس کارِ خیر میں دے دے، پھر زکوۃ کی رقم کا اس کو مالک بنا دیا جائے، اس سے وہ اپنا قرض ادا کر دے۔ (ماخوذ از فتاوی سنگرہ جدید ۳/۲۶۳)

اگر قرض والا حیلہ کسی وجہ سے مشکل ہو تو مکتب کے ذمہ داران میں مستحق، سمجھدار، مسائل سے واقف شخص کو مالک بنا کر مصرف میں صرف کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

حیلہ مذکورہ کے بعد تنخواہ، تعمیر، ٹین کے شیڈ وغیرہ میں استعمال کرنے میں حرج نہیں۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

زکوۃ اور چرم قربانی کو تعمیر یا تنخواہ میں یا وقفی کتب وقرآن شریف خریدنے میں صرف کرنا جائز نہیں، البتہ مستحق طلبہ کے وظائف میں صرف کرنا درست ہے کہ ان طلباء کے کپڑے وغیرہ بنا دئے جائیں، اگر مکتب کا متولی یا مہتمم غریب اور مستحق ہو اور مالکان، زکوۃ یا قیمت چرم قربانی ان کو دیدیں اور مالک بنا دیں تو اس کو از خود تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا درست ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی غریب مستحق کو دے کر قبضہ کرادیں اور وہ اپنی طرف سے مکتب کے لئے دیدے، تب بھی مکتب کی جمیع ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، یہ حکم ہے زکوۃ اور قیمت چرم قربانی کا۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۹/۵۹۵، ۵۹۶)

ایسی صورت میں زکوۃ دینے والے کو زکوۃ ادا کرنے کا ثواب اور مستحق کو مکتب میں دینے کا ثواب ملے گا یعنی دونوں اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ درمختار میں ہے:

وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذا الأشياء ،قوله: (ثم يأمره الخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب. بحر (شامی ،کتاب الزکاة ،باب المصرف ۳/۲۹۳)

اگر معلمین مستحق ہیں تو تنخواہ کے علاوہ ان کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کے تقرر کے وقت تنخواہ کی ایک مقدار بحیثیت اجرت مقرر کرلی جائے، وہ تو ان کو مقررہ وقت پر ملتی رہے گی، لیکن ہنگامی ضرورت مثلاً شادی کے مصارف، ان کے یا ان کے اہل و عیال کے علاج ومعالجہ کے مصارف وغیرہ کے لئے زکوۃ کی رقم براہ راست بھی دے سکتے ہیں۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ معلم صاحب سے اجارہ کا معاملہ ہی نہ کیا جائے، وہ لوجہ اللہ بچوں کو پڑھائیں، امامت کرائیں، حسب موقع اور حسب ضرورت ان کی تمام ضروریات زکوۃ کی رقم سے پوری کردی جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کے فتاوی ''فتاوی عثمانی'' سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے ایک مولوی صاحب مقرر ہیں، محلے کے بچے ایک دو گھنٹہ قرآن پڑھ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، مدرسہ کی جانب سے طعام وقیام کا انتظام نہیں ہے، کیا عوام انہیں زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی کی رقم سے تنخواہ دے سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں زکوۃ وغیرہ ادا ہوجائے گی۔

جواب: زکوۃ سے مذکور معلم صاحب کی تنخواہ شرعاً نہیں دی جاسکتی، ہاں اگر وہ مستحق زکوۃ ہوں یعنی ان کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا زائد از ضرورت سامان نہ ہو تو تنخواہ کے علاوہ ان کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، یعنی تنخواہ الگ مقرر ہو اور زکوۃ اس کے علاوہ دی جائے، یا پھر معلم صاحب کی کوئی تنخواہ مقرر نہ ہو وہ توجہ سے پڑھائیں، پھر جس شخص کو جتنی زکوۃ دینے کا موقع ملے انہیں دیدیا کرے لیکن مقررہ نہیں ہوگی۔ (فتاوی عثمانی ۲/۱۴۴) فقط واللہ تعالی اعلم

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح
عباس داؤد بسم اللہ
نائب مفتی

الجواب صحیح
[signature] خانپوری
مفتی

عبد القیوم راجکوٹی
معین مفتی
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات

مدرسہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک ضلع نوساری
دار الافتاء
مدرسہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک ضلع نوساری
۱۳۲۹

મુફ્તીએ ગુજરાત હઝ. મુફ્તી ઈસ્માઈલ બિસ્મીલ્લાહ (રહ.)નો ઝકાતના વપરાશ બાબત અગત્યનો ફતવો

જવાબ : ઝકાતના નાણાના ખરા હકદાર મિસ્કીનો મુહતાજો, બેવાઓ, અપંગો વગયરહ જેઓ નિસાબધારી ન હોય તેજ છે. ઝકાતના નાણા મસ્જિદમાં આપવા કે મદરેસહમાં પગાર પેટે આપવા જાઈઝ નથી. જેઓ ખરા હકદારોનો હક મારીને પોતાની ઝકાતના નાણા એવા કામોમાં જેમાં ઝકાત ચાલતી નથી. હીલો કરી લેવાની શર્તે આપે છે, તેઓ ખરૂં જોતાં શરીઅતના મુળ હેતુને સદમો પહોંચાડી રહ્યાં છે.

મુસલમાને મસ્જિદ મદરેસહ વગયરહ માટે તો બીજાં નાણા આપવા જોઈએ. અલ્લાહે આપ્યું છે, તો અલ્લાહના કામો માટે પણ તિજોરીના દરવાઝા ખુલતા રહે. અલ્લાહ ફર્માવે છે કેઃ અગર તમે શુક્ર કરશો, તો અમે તમારી નિઅમતોમાં વધારો કરતાં રહીશું.

લેકિન જ્યાં મુસલમાનોએ બીજાં અનેક દીની કામોમાં ગફલત તથા બેપર્વાહી વર્તી છે, ત્યાં તેઓ પોતાની ઝકાતમાં પણ મુળ હકદારોને ભુલી, નવા નવા તુક્કા શોધવા લાગ્યા છે. હીલો તે હીલોજ રહ્યો, ઝાહિર છે કે તે, કોઈ સખ્ત અનિવાર્ય ઝુરૂરત આવી પડે ત્યારે જ તે કરવાનો હોય છે. પણ હાલમાં આપણા તવંગરો, ઝકાત સિવાય બીજી મુડીને તો અડકતાજ નથી. બસ, જ્યાં જુઓ ઝકાતમાંથી જ કાઢી આપે છે. તેઓ એ વિચારતા નથી, કે અમે જ્યારે ઝકાતના નાણા મસ્જિદમાં આપ્યાં તો એ ઝાહિર છે, કે મસ્જિદમાં તો વાપરી સકાશે નહિ, એટલે, હીલો કરવોજ પડશે અને હીલો કરનાર કોઈ ગરીબ જ હશે.

હવે ચાલુ ઝમાનામાં બે પ્રકારના હીલા પ્રચલિત છે. એક એકે અગાઉથીજ કોઈ ગરીબને કહેવામાં આવે છે, કે તને અગર નાણા આપવામાં આવે, તો તું મસ્જિદ કે મદરેસામાં આપી દેશે તો તે ગરીબ કહી નાખે છે, કે ઝુરૂર આપીશ. ત્યાર પછી તેના હાથમાં ઝકાતના નાણા આપવામાં આવે છે અને કહેવામાં આવે છે કેઃ "લે તને નાણા મળ્યા. હવે મસ્જિદમાં આપી દે" અગર તે ના પાડે, અથવા વિચાર કરે તો તેને પજવવામાં આવે છે. તે બિચારો, પોતે નાણાનો મોહતાજ હોવા છતાં, મસ્જિદ માટે પાછા આપી દે છે. એ રીત તો ઘણી વસ્મી છે. કેટલીક વાર તો એવો હીલો થતો જ નથી.

બીજી રીત એ છે, કે ગરીબોને કહેવામાં આવે છે, કે તુ ફલાણા ફલાણા કનેથી અમુક રકમ (કહો, કે પાંચસો રૂપીયા) કર્ઝ લે અને મસ્જિદમાં આપ, અમે કોઈ પણ રીતે ત્હારોએ કર્ઝ પતાવી દઈશું, એ મુજબ તે બિચારો પાંચસો રૂપીયા કર્ઝ લઈને તે રકમ મસ્જિદમાં આપી દે છે. પછી તેને ઝકાતમાંથી રૂા. ૫૦૦ આપવામાં આવે છે અને તે તેના કબ્ઝામાં ગયા પછી પોતાના મઝકુર કર્ઝમાં તે ભરપાઈ કરી આપે છે. એમ ઝકાત પણ અપાઈ ગઈ અને મસ્જિદનું કામ પણ થઈ ગયું.

હીલાની આ બીજી રીત પહેલા કરતાં સારી છે, પરંતુ એ બન્ને હીલાઓમાં, મસ્જિદમાં નાણા આપનાર તો ગરીબ જ રહ્યો, એટલે તે ગરીબ જ મસ્જિદમાં નાણા આપનાર ગણાયો! પરંતુ ફાળાની લિસ્ટોમાં, રિપોર્ટ અને હિસાબોની બુકોમાં તો તેનું નામ જ નથી હોતું! અગર તેનું નામ લખો તો પેલો ઝકાત આપનાર ચઢી બેસે! છે. વાહ શી ઝકાતની અદાયગી! માટે બિહતર છે, કે મુસહમાનોએ પોતાની ઝકાતના નાણા ઝકાતની જગ્યાએજ વાપરવાં અને બીજા નક્કર માલમાંથી મસ્જિદ મદ્રસહ વગયરહમાં આપવાં જોઈએ.

છતાં પણ અગર ઝકાત, એ કામોમાં આપશે અને ઉપર કહેલી બીજી રીતે હીલો કરાવી. તેના નાણા મસ્જિદમાં લેવામાં આવશે તો જાઈઝ ગણાશે, કારણ કે એ બીજી સુરતમાં ઝકાતની મુળ રકમ મસ્જિદમાં જતી નથી, પણ ગરીબે કર્ઝ લઈને આપેલી રકમ જાય છે, એટલે ઝકાતની અદાયગીમાં સ્હેજ પણ ઉણપ આવતી નથી. (મુસ્લિમ ગુજરાત ફતાવા સંગ્રહ ભાગ-૩, પેજ. ૭૯૩ પહેલી આવૃત્તિ)

પ્રકાશક

દારૂલ ઈફતા

મદ્રેસહ જામિય્યહ ઈસ્લામીયહ તઅલીમુદીન,

મુ.પો. ડાભેલ. ૩૯૬૪૧૫. જી. વલસાડ.